ڈاکٹر احمد شلبی
مترجم محمد حسین زبیری

قرونِ وسطیٰ میں اسلامی کتب خانے

(سلسلہ کے لیے دیکھیے ثقافت مارچ ۱۹۶۳ء)

کتب خانہ کی مالی حالت

مدارس کی طرح کتب خانوں کے لیے بھی اوقاف تھے جن کی آمدنی سے عمارت کا رکھ رکھاؤ کتابوں کی خریداری اور عملہ کی تنخواہوں کا کام چلتا تھا۔ کتب خانوں کے مالیات کے سلسلے میں مختلف قسم کی فیاضیوں کا ذکر آتا ہے۔ چند مثالیں درج ذیل کی جاتی ہیں۔

حنین بن اسحاق جن کتابوں کا ترجمہ عربی میں کرتا تھا تو خلیفہ مامون رشید ان کتابوں کے وزن کے برابر اس کو سونا عطا کرتا تھا۔[۱] الواثق کی توجہ غیر زبان کی کتابوں کے تراجم پر مرکوز تھی یحییٰ بن ماسویہ اس کا دستِ راست تھا اور واثق اس پر انعام واکرام کی بارش کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ اس نے تین لاکھ درہم عطا کیے۔[۲]

محمد بن عبدالملک الزیات کے مترجمین اور کاتبوں کے معاوضہ کا ماہانہ خرچ دو ہزار دینار بتایا جاتا ہے۔[۳]

الحاکم کے کتب خانے کے سالانہ میزانیہ میں اور بھی تفصیلات ملتی ہیں۔ المقریزی[۴] سے روایت ہے کہ اس کے اخراجات کی تفصیل یہ تھی:

کاغذ برائے نقل نویساں (غالباً ان کی تنخواہیں بھی اسی میں شامل تھیں) ۹۰ دینار

---

(۱) ابن ابی اصیبعہ، ج ۱، ص ۲۰۶ (۲) اسلامک سولائزیشن (خدابخش) ص ۲۷۹ (۳) ابن ابی اصیبعہ ج ۱، ص ۲۰۶
(۴) الخطط، ج ۱، ص ۴۵۹

مہتمم کتب خانہ کی تنخواہ	۴۸ دینار
خدمت گار کی تنخواہ	۱۵ دینار
مرمت کتب (غالباً جلد ساز کی اجرت بھی شامل تھی)	۱۲ دینار
کاغذ قلم اور سیاہی (جو مفت دیئے جاتے تھے)۔	۱۲ دینار
چٹائیاں (عبادان سے آتی تھیں)	۱۰ دینار
پانی	۱۰ دینار
موسم سرما کے لیے اونی قالین	۵ دینار
موسم سرما کے لیے گدّے	۴ دینار
دروازوں کے پردوں کی مرمت	۱ دینار

مدرسہ المستنصریہ کے مہتمم کتب خانہ کو پانچ سیر روٹی، دو سیر گوشت اور دس دینار ماہانہ دیئے جاتے تھے اور اسی کتب خانے کے "مناولی" کی اجرت دو سیر روٹی اور سالن اور دو دینار تھی۔[۱]

اقسام کتب خانہ

کتب خانے نمایاں طور پر تین قسم کے تھے ان میں سے ہر ایک کا تذکرہ الگ الگ کیا جائے گا۔ ہمیں یہ دکھلانا ہے کہ ان کتب خانوں نے تعلیم و تربیت میں کیا اضافہ کیا لہذا ہمیں بانیٔ کتب خانہ کی معاشرتی حیثیت سے کوئی سروکار نہیں کہ آیا وہ خلیفہ وقت تھا یا ایک معمولی شہری ہمیں تو صرف کتب خانے کے قیام سے مطلب ہے لہذا ان تینوں اقسام کے کتب خانوں کو ہم بہ ترتیب ذیل بیان کرتے ہیں:

(۱) کتب خانہ عام (۲) نیم سرکاری کتب خانہ (۳) ذاتی کتب خانہ

کتب خانہ عام

عام کتب خانے عموماً مساجد اور تعلیم گاہوں میں قائم کیے گئے تھے اور بڑی کثیر تعداد میں تھے

---

(۱) خزائن الکتب القدیمۃ فی العراق (جرجس عود) ص ۱۶۵

یہاں تک کہ کوئی مسجد یا مدرسہ ایسا نہ تھا جہاں طلباء کے لیے کتابوں کا مجموعہ نہ ہو لہذا معاشرہ میں مختلف مدارج کے لوگ ان کتابوں سے استفادہ کرتے تھے۔ ذیل میں ہم صرف چند کتب خانوں کی مثالیں پیش کریں گے کیونکہ تمام کتب خانوں کے حالات بیان کرنے کے لیے ایک دفتر چاہیے:

بیت الحکمۃ

یہ امر ابھی تک متنازع فیہ ہے کہ بیت الحکمۃ کا بانی کون تھا۔ لیکن ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ اس کا حقیقی بانی ہارون الرشید تھا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں یہ بات تاریخ کے صفحات میں موجود ہے کہ علان الشعوبی بیت الحکمۃ میں ہارون اور مامون کا نقل نویس تھا[1] اور یہ کہ ابوسہل ابوالفضل بن نوبخت ہارون کے خزانۃ الحکمۃ میں مترجم تھا۔[2]

یحییٰ بن خالد اس تحریکِ علمی کا نگران تھا۔ اس نے ہندوستان سے پنڈت بلوائے اور ان کے توسط سے ہنود کے خزانۂ علم پر مسلمانوں کو دسترس حاصل ہوئی۔ ایرانیوں کی تصانیف پر خاص طور پر توجہ دی گئی کیونکہ برامکہ ایرانی النسل تھے۔[3] بازنطین پر فتح حاصل ہونے کے بعد ہارون الرشید کو یونانی تصانیف بھی ملیں جن کے ترجمہ کے لیے یوحنا بن ماسویہ کو مقرر کیا گیا۔[4]

حقیقت میں اس ادارہ کو مامون رشید کی سرپرستی میں بہت شہرت حاصل ہوئی۔ وہ خود بھی ایک بہت بڑا عالم اور آزاد خیال خلیفہ تھا۔ مامون رشید نے اس کتب خانے کو ترقی دینے میں بے انتہا سعی و کوشش کی حتی کہ چمڑے پر حضرت عبدالمطلب کی ایک تحریر بھی اس کے لیے حاصل کی گئی۔[5] مامون الرشید کی درخواست پر صقلیہ کے حکمران نے یونانی کتابوں کا وہ ذخیرہ بھیج دیا تھا جو ایک مکان میں بند تھا اور جہاں کوئی نہ جا سکتا تھا۔ مامون الرشید کو یہ ذخیرۂ کتب حاصل کر کے بے حد مسرت ہوئی اور

---

(۱) الفہرست (ابن الندیم) ص ۱۵۱ (۲) الفہرست (ابن الندیم) ص ۲۸۲ ؎

(۳) Islamic Libraries (خدابخش) XIX Century.

(۴) ابن ابی اصیبعہ، ج ۱، ص ۱۷۵، ۱۸۷ (۵) الفہرست ص ۸، ۷ ؎

وہ سب کتابیں سہل بن ہارون مہتمم بیت الحکمۃ کے حوالے کر دی گئیں[1]۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ سلطنت بازنطینہ کے خلاف جنگ میں بالادستی حاصل ہوگئی تو مامون الرشید نے عارضی صلح کے دوران میں شہنشاہ بازنطین نے خط و کتابت کی اور چیدہ چیدہ یونانی تصانیف کا مطالبہ کیا اور جب اس خط کا جواب اثبات میں آ گیا تو مامون الرشید نے الحجاج بن مطر، ابن البطریق، اور سلام کو بھیجا جنھوں نے بہترین کتابوں کو منتخب کر لیا اور یہ سارا ذخیرہ بیت الحکمۃ میں رکھا گیا اور سب کتابوں کا عربی میں ترجمہ کر دیا گیا۔[2]

بیت الحکمۃ سب سے پہلا عظیم الشان پبلک کتب خانہ تھا[3] جہاں مختلف علوم و فنون پر مختلف زبانوں میں نہایت بیش قیمت کتابیں جمع تھیں۔ قرون وسطیٰ کے مسلمانوں کی علمی ترقی کے لیے وہ بہت بڑا مرکز تھا۔

بعض واقعات سے بدنامی بھی ہوئی اور بیت الحکمۃ کی شان کو بٹہ لگا۔ سب سے پہلا نقصان تو اس ادارہ کو اس وقت پہنچا جب بجائے بغداد کے سامرّہ کو سلطنت اسلامیہ کا دارالخلافہ منتخب کیا گیا۔ اور بھی متعدد واقعات نے اس علمی مرکز پر برا اثر ڈالا۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان تمام مصائب و مشکلات کے بعد بھی بیت الحکمۃ زندہ رہا اور اگرچہ اس کی پہلی سی اہمیت جاتی رہی لیکن پھر بھی کئی صدی تک اس کا وجود باقی رہا۔ ابن الندیم نے چوتھی صدی ہجری کے آخری ربع میں اسی کتب خانے میں حبشی رسم الخط کی نقول حاصل کیں[4]۔ اور القلقشندی سے روایت ہے کہ یہ کتب خانہ اس وقت تک موجود تھا جب کہ بغداد ۶۵۶ھ میں تاتاریوں کے قبضہ میں آیا اور اس وقت دوسری بے شمار اشیاء کے ساتھ یہ کتب خانہ بھی صفحۂ ہستی سے مٹ گیا۔[5]

---

(۱) مرح العیون (ابن نباتہ المصری) ص ۱۶۶ (۲) الفہرست: ابن الندیم، ص ۳۳۹ (۳) انسائیکلو پیڈیا آف اسلام ج ۲، ص ۱۰۴۵ (۴) الفہرست، ص ۲۹ (۵) صبح الاعشیٰ (القلقشندی)، ج ۱، ص ۴۶۶ + مفتاح السعادۃ ج ۱، ص ۲۰۴

حیدری کتب خانہ نجف

یہ کتب خانہ آج بھی موجود ہے اور حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے مزار سے متعلق ہے لہٰذا آپ خود خیال کر سکتے ہیں کہ شیعہ حضرات نے اس پر کس قدر توجہ دی ہوگی۔

اس کے قیام کی کوئی صحیح تاریخ تو معلوم نہیں لیکن عضد الدولہ (متوفی ۳۷۲ھ) کا نام ان نامور حضرات کی فہرست میں ملتا ہے جن کا تعلق اس کتب خانے سے رہا ہے۔ ہم نے اس کتب خانے کو ۲ دسمبر ۱۹۵۸ء کے دن دیکھا تھا لہٰذا ہم اپنے تاثرات درج ذیل کرتے ہیں۔

صحن درگاہ کے مشرقی سمت میں ایک وسیع کمرہ ہے جس میں یہ کتب خانہ ہے۔ اب اسے ایک عام کتب خانے کی اہمیت حاصل نہیں ہے بلکہ اس کو دیکھنے کے لیے بھی اس ادارہ کے شیخ سے اجازت لینی پڑتی ہے۔ کتابوں کی کوئی باقاعدہ فہرست نہیں ہے اور کتابیں اگرچہ بیش قیمت ہیں لیکن بے ترتیب ہیں۔ یہاں فارسی و عربی کے بڑے ہی نادر و بیش قیمت مسودات ہیں ان میں اکثر مصنفین ہی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں۔ کتب خانہ کا سب سے بیش قیمت وہ حصہ ہے جہاں مصحف رکھے ہوئے ہیں وہ نہایت حسین خط میں لکھے ہوئے ہیں ان پر نہایت خوشنما گل کاری کی گئی ہے اور جلدیں نہایت عمدہ ہیں۔ علاوہ ازیں اور بھی قابل قدر تصانیف ہیں۔ مثلاً المسائل الشیرازیہ مصنفہ ابوعلی الفاسی کا ایک نسخہ ہے جس کی خود مصنف نے تصحیح کی تھی۔ معجم الادباء کی پہلی جلد ہے جسے خود مصنف نے لکھا ہے۔ ابوالحیان الاندلسی کی تصنیف "التقریب" بھی ہے جو مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔ نہج البلاغہ کا نسخہ بھی ہے جو حضرت علیؓ سے منسوب کی جاتی ہے۔ ایک نسخہ المعتبر من الحکمۃ مصنفہ ہبۃ الدین بن علی محررہ ۵۳۸ھ رکھا ہوا ہے۔ علاوہ ازیں کثیر تعداد میں اور بھی شیعی تصانیف ہیں جن میں خاص طور پر امامت اور وصایت پر زور دیا گیا ہے۔ قرآن مجید کی وہ آیات جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ حضرت علیؓ کے قلم سے لکھی ہوئی ہیں کتب خانے میں نہیں ہیں بلکہ درگاہ میں رکھی ہوئی ہیں۔

کتب خانہ ابن سوار۔ بصرہ

ابو علی بن سوار خود ایک عالم تھا اور علم کا مربی تھا۔ اس نے دو کتب خانے قائم کیے تھے۔ ایک بمقام رام ہرمز اور دوسرا یہ جس کے متعلق ہم لکھ رہے ہیں۔ طلبہ ان دونوں کتب خانوں میں مطالعہ کرنے اور کتابوں کی نقل کرنے جایا کرتے تھے اور بانی کتب خانہ کی طرف ان کے کھانے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ المقدسی کی روایت کے بموجب بصرہ کا کتب خانہ بڑا تھا اور یہاں کام بھی زیادہ ہوا کرتا تھا۔ علاوہ ازیں ایک عالم متکلمانہ دینیات کی تعلیم بھی دیا کرتا تھا[1] جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ مقامات الحریری میں بھی اس کتب خانہ کا ذکر ہے جہاں وہ تقریر الحارث البصری کی زبان سے کرائی گئی ہے:

"جب میں وطن واپس آیا تو میں نے مقامی کتب خانے کو دیکھا جو علم دوست حضرات کا کلب تھا اور مقامی اور غیر ملکی حضرات کا سنگم تھا۔ تھوڑی دیر میں ایک شخص جس کی داڑھی بہت بھری ہوئی تھی اور بظاہر نہایت خستہ حال تھا آکر بیٹھ گیا اور کسی نے بھی اس کی طرف توجہ نہ کی لیکن جب اس نے بات چیت شروع کی تو بہت سے لوگ اس کی عالمانہ گفتگو سے مسحور ہو کر اس کی طرف کھنچے آئے اور اس کے گرد جمع ہو گئے[2]۔"

خزانتہ السابور (دار العلم)

خزانتہ السابور کا شمار اسلامی دنیا کے بہترین کتب خانوں میں ہوتا ہے۔ اسے ابو نصر سابور بن اردشیر (متوفی ۴۱۶ھ) نے قائم کیا تھا۔ یہ شخص بویہیں کے وزراء میں سے تھا۔ یہ کتب خانہ بغداد کے محلہ کرخ کے ایک حصہ میں جو "بین السورین" کے نام سے مشہور تھا قائم کیا گیا تھا[3]۔ کتب خانہ کے لیے بہترین کتابیں جمع کرنے میں پیسے کا کوئی لحاظ نہیں رکھا جاتا تھا۔ ہو مقلہ کے لکھے ہوئے قرآن مجید

---

(۱) احسن التقاسیم ص ۴۱۳ (۲) مقامات ص ۱۵

(۳) سوانح عمری ابو العلی المعری" در رسائل ابو العلاء ص ۲۵

کے ایک سو نسخے تھے۔ علاوہ ازیں دس ہزار چار سو کتابیں مختلف شعبہ ہائے علوم سے متعلق تھیں ان میں اکثر یا تو مصنفین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں یا دنیا کے بڑے بڑے لوگوں سے حاصل کی گئی تھیں۔ سابور نے ادارہ کے اخراجات کا معقول انتظام کر دیا تھا۔ کتب خانے میں اس زمانے کے ممتاز حضرات اور علماء کا جماؤ رہا کرتا تھا اور اکثر مناظرے و مباحثے منعقد ہوا کرتے تھے۔ مشہور فلسفی ابو العلاء المعری (متوفی ۴۴۹ھ) اکثر اس کتب خانے کے لیے سفر کیا کرتا تھا اور دوران قیام بغداد میں تو اٹھنے بیٹھنے کی یہی مرغوب جگہ تھی۔[۱]

اکثر مصنفین اور عشاق کتب نے بہت سی کتابیں اس کتب خانے کو عطا کر دی تھیں۔ ان میں احمد بن علی الخطیب[۲] اور جبریل بن بختیشوع مثال کے طور پر پیش کیے جاتے ہیں۔[۳]

دار العلم الشریف الرضی

اس علمی مرکز کو الشریف الرضی (متوفی ۴۰۶ھ) نے بغداد میں قائم کیا تھا اور اس کا نام دار العلم رکھا تھا۔ یہاں ایک نہایت عمدہ اور خوش اسلوبی سے مرتب کیا ہوا کتب خانہ تھا۔ کثرت سے طلبا یہاں استفادہ کرنے جمع ہوا کرتے تھے۔ اور بانی دار العلم کے لیکچروں سے مستفیض ہوا کرتے تھے۔ ان طلبائ کے تمام اخراجات الشریف الرضی خود برداشت کرتے تھے۔[۴]

کتب خانہ مسجدِ زیدی

اس مسجد اور کتب خانے کی بنیاد ابو الحسن علی بن احمد الزیدی (متوفی ۵۷۵ھ) نے ڈالی تھی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب عضد الدین محمدؒ نے المستضی بامر اللہ کی حکومت میں ایک مرتبہ معزول ہو جانے کے بعد دوبارہ قلمدانِ وزارت سنبھالا تو اس نے خلیفہ کو تحریری درخواست پیش کی کہ مجھے اجازت دی جائے کہ ایک ہزار دینار الزیدی کے پاس بھیجوں کیونکہ میں نے یہ منت مانی تھی کہ دوبارہ وزارت

---

(۱) رسائل ابو العلاء ص ۳۴ (۲) ارشاد (یاقوت) ج ۱، ص ۲۴۴

(۳) ابن ابی اصیبعہ ج ۱، ص ۱۴۶ (۴) مرآۃ الزمان ج ۸، ص ۲۲۷ (سبط بن الجوزی)۔

ملنے پر یہ رقم دوں گا۔ خلیفہ نے نہ صرف اسے اجازت دی بلکہ اپنی طرف سے بھی اور ایک ہزار دینار الزیدی کے پاس بھیج دیے۔ اس رقم سے الزیدی نے مسجد و کتب خانہ تعمیر کرایا۔[1] الزیدی نے اپنی وفات سے قبل اپنی تمام کتابیں اس کتب خانے کو دیدیں تاکہ طلبا اور دیگر منلاشیان علم ان سے استفادہ کریں۔[2] تین دیگر علماء نے جن کو کتابوں سے عشق تھا یعنی ابوالخطاب العلیمی (متوفی ۵۷۴ھ)[3] ابوالخیر صبیح الحبشی (متوفی ۵۸۴ھ) اور عظیم مورخ یاقوت الحموی[4] (متوفی ۶۲۶ھ) نے بھی اپنی تمام کتابیں اس کتب خانے کے نام وقف کر دی تھیں۔

دارالعلم

فاطمی خلیفہ الحاکم بامر اللہ نے قاہرہ میں یوم شنبہ ۱۰ جمادی ۳۹۵ھ کو دارالعلم یا دارالحکمۃ کا افتتاح کیا تھا۔ افتتاح سے قبل ایسی تیاریاں کی گئیں کہ اس کے سامنے دور مامون الرشید کا دارالحکمۃ ماند پڑ جائے۔ تمام عمارت کو سجایا گیا اور اعلیٰ قسم کا خوش نما فرنیچر مہیا کیا گیا۔ دروازوں اور غلام گردشوں پر قیمتی پردے لٹکائے گئے اور ضروری عملہ کا انتخاب کیا گیا۔ شاہی محل میں جس قدر کتابیں تھیں انھیں دارالعلم میں منتقل کرنے کے احکام نافذ کیے گئے اور دارالعلم میں ایسا بیش بہا ذخیرۂ کتب جمع ہو گیا جو بادشاہوں ہی کے پاس ہو سکتا تھا۔ مختلف مضامین پر کتابیں جمع ہو گئیں جن میں بیشتر مصنفین ہی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھیں۔ یہاں درس و تدریس کے لیے حفاظ، ہیئت داں، نحوی، ماہرین علم اللسان، اور اطباء مقرر کیے گئے۔ علاوہ ازیں بے حد آسانیاں مہیا کی گئیں مثلاً قلم، کاغذ اور دوات مفت مہیا کیے جاتے تھے۔ بغیر تخصیص ہر شخص کو کتب خانے میں آنے کی اجازت تھی۔ چنانچہ طلبا کا ایک مجمع رہا کرتا تھا۔ کچھ درس میں شرکت کے لیے آتے تھے اور کچھ کتابوں کی نقلیں کرنے کے لیے اور مطالعہ کے لیے آیا کرتے تھے۔[6] دارالعلم میں

---

(۱) مرآۃ الزمان (سبط ابن الجوزی) ج ۸ ص ۲۲۷ (۲) رسالہ ۳۴، ص ۸ (۳ و ۴) رسالہ ۳۴ ص ۷ (۵) شذرات الذہب (ابن العماد) ص ۱۲۲ (۶) الخطط (المقریزی) ج ۱ ص ۴۵۸، ۴۵۹ ج ۲ ص ۳۴۲۔

اکثر مناظرے ہوا کرتے تھے جو عموماً حجت اور نزاع پر منتج ہوتے تھے۔[1]

دار الحکمۃ زمانے کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ ترقی و تنزل کی راہوں سے گزرنے کے باوجود اوائل چھٹی صدی تک قائم رہا۔ پھر جب الملک الافضل کو پتہ چلا کہ دار الحکمۃ کو بعض لوگ مقاصدِ رفض کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں تو اس نے اس کو فوراً بند کر دینے کے احکامات جاری کر دیے۔[2] ۵۱۷ھ میں المامون البطائحی نے خلیفہ کے حکم سے دار العلم کو پھر کھول دیا۔[3] چنانچہ پھر اسی زور شور سے کام شروع ہو گیا جیسا پہلے تھا اور زوال خاندانِ فاطمی تک یہی کیفیت رہی۔ صلاح الدین نے اسے ختم کر کے اس کی جگہ ایک شافعی مدرسہ قائم کیا۔

مدارس میں کتب خانے

عراق، خراسان، شام اور مصر کے تمام مدارس میں کتب خانے موجود تھے۔ کوئی مدرسہ ایسا نہ تھا جہاں کتابوں کا ذخیرہ نہ ہو البتہ اس کی ترقی مدرسہ کی مالی امداد پر منحصر تھی۔

نظام الملک نے اپنے ہر مدرسہ میں ایک کتب خانہ بھی قائم کر دیا تھا اور ہر جگہ کتابوں کا خاصا ذخیرہ جمع کر دیا تھا۔ اس قسم کے کتب خانوں میں مدرسہ نظامیہ بغداد کا کتب خانہ سب سے بڑا تھا کیونکہ یہ مدرسہ بھی سب سے بڑا تھا۔ جو کتابیں نظام الملک نے اس مدرسہ کو دی تھیں ان میں ابراہیم الحربی کی تصنیف غریب الحدیث کی دس جلدیں تھیں جو ابو عمرو بن حیاویہ کے قلم کی لکھی ہوئی تھیں اور یہ اس کتاب کا بے نظیر نسخہ ہے۔[5]

۵۸۹ھ میں خلیفہ الناصر لدین اللہ نے اس کتب خانے کی درستی کا حکم صادر فرمایا اور اپنے ذاتی کتب خانے سے ہزاروں کتابیں یہاں منتقل کر دیں۔ ابو الرشید مبشر الحبیب کے ذمہ یہ

---

(۱) تاریخ التمدن الاسلامی (زیدان) ج ۳ ص ۲۱۰ (۲) الخطط (المقریزی) ج ص ۴۵۹ (۳) الخطط (المقریزی) ص ۴۵۹، ۴۶۰ (۴) العبر (ابن خلدون) ج ۴، ص ۷۹ (۵) طبقات الشافعیۃ (السبکی) ج ۳، ص ۲۳۰

کام سپرد ہوا کہ کتب خانہ کے لیے مناسب کتابوں کا انتخاب کرے[1]۔

ساتویں صدی کے نصف اول میں اس کتب خانہ کو ایک ہزار دینار کی قیمتی کتابوں کا ذخیرہ ملا۔ اس مرتبہ معطی محب الدین بن النجار (متوفی ۶۴۳ھ) تھا[2]۔

مدرسۃ المستنصریہ میں بہت بڑا اور مرتب کتب خانہ تھا جہاں خلیفہ کے ذاتی کتب خانے سے ایک سو تیس بار کتابوں کے لائے گئے تھے[3]۔ ابن عنبۃ العلوی کی روایت کے بموجب ان کتابوں کی تعداد آٹھ ہزار تھی[4]۔ المقریزی کے بیان کے مطابق اس کتب خانے میں کتاب الیاسہ (آئین منگول) کا نسخہ بھی تھا جس میں چنگیز خاں کے وہ فرامین تھے جو اس نے اپنی رعایا کے لیے جاری کیے تھے[5]۔ یہاں مصنف کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تاریخ بغداد کی چودہ جلدیں بھی تھیں[6]۔

کہا جاتا ہے کہ مدارس دمشق کے بانی نور الدین نے بھی طالبانِ علم کے لیے بہت سی کتابیں عطا کر دی تھیں[7]۔ طب کی کتابیں دمشق کے بڑے ہسپتال کے کتب خانے میں جمع کر دی تھیں جو مثل دیگر ہسپتالوں کے علم طب کی تدریس کا مرکز تھا۔

قاہرہ میں القاضی الفاضل نے اپنا مدرسہ ۵۸۰ھ میں قائم کرنے کے بعد مختلف مضامین کی ایک لاکھ کتابیں بطور عطیہ دیدیں جن سے طلبا آزادی کے ساتھ استفادہ کرتے تھے[9]۔

قطب الدین نیشاپوری کی کتابوں کا بہترین ذخیرہ مدرسہ عادلیۃ الکبریٰ (جو ملک العادل

---

(۱) القفطی ص ۲۶۹ (۲) فوات الوفیات (الکتبی) ج ۲، ص ۲۶۴ (۳) تاریخ الخلفا (السیوطی) ص ۳۰۶

(۴) عمدۃ الطالب (ابن عنبہ) غیر مطبوعہ، ص ۱۹۵ (۵) الخطط، ج ۲، ص ۲۲۰ (۶) کشف الظنون (حاجی خلیفہ) ج ۱، ص ۱۲۱ (۷) الدارس فی التاریخ المدارس، ج ۱، ص ۲۰۸

(۸) تاریخ المارستانات فی الاسلام (احمد عیسیٰ بیگ) + ابن اصیبعہ، ج ۲، ص ۱۵۵

(۹) الخطط، ص ۳۶۶

صف الدین متوفی ۶۱۵ھ سے منسوب تھا) کو بطور عطیہ پیش کیا گیا۔[۱]

شرف الدین بن عروہ (متوفی ۶۲۰ھ) نے اپنی کتابیں دار الحدیث العرویۃ کو جو اس کے نام سے منسوب تھا وقف کر دی تھیں۔[۲]

مدرسۃ الصاحبیۃ میں جسے الصاحب صفی الدین بن عبداللہ (متوفی ۶۲۲ھ) نے قائم کیا تھا کہ ایک بہت بڑا کتب خانہ تھا جس سے لوگ مفت استفادہ کرتے تھے۔[۳]

وزیر سلطنت ابوالاشبال الحارث (المتوفی ۶۲۸ھ) نے مدرسۃ البھنیسیۃ قائم کیا اور علاوہ دیگر اوقاف کے اپنا ذاتی کتب خانہ بھی مدرسہ کو دیدیا۔[۴]

الامیر سیف الدین الحامی نے نہ صرف اپنے مدرسہ میں استاد مقرر کیے تھے بلکہ مدرسہ کے لیے ایک بہت بڑے کتب خانے کا بھی اہتمام کیا تھا۔[۵]

نیم سرکاری کتب خانے

یہ کتب خانے عام نہ تھے کیونکہ ہر شخص کو وہاں جانے کی اجازت نہ تھی۔ نہ وہ ذاتی ہی تھے کیونکہ ان کے مالکوں کو نہ تو ان سے استفادہ کرنے کی فرصت تھی اور نہ اس طرف توجہ تھی۔ یہ کتب خانے خلفاء یا بادشاہوں کی ملکیت تھے اور انھوں نے ان کو اس لیے قائم کیا تھا کہ انھیں بھی علمی دنیا میں شہرت حاصل ہو۔

جیسا کہ المقدسی کا بیان عضد الدولہ کے شیرازی کتب خانے کے متعلق ہے اس قسم کے کتب خانوں میں صرف ان کو داخلہ ملتا تھا جو لوگ اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھتے تھے۔[۶] نامور فلسفی بوعلی سینا کو سامانی کتب خانے میں مخصوص اجازت نامہ حاصل کر کے داخل ہونے کی

---

(۱) الروضتین ج ۱، ص ۱۴۲ (ابوشامہ) (۲) النعیمی ص ۸۲ (۳) الخطط، ج ۲، ص ۳۷۱۔

(۴) النعیمی، ج ۱، ص ۲۱۵ (۵) الخطط، ج ۲، ص ۳۸۷

(۶) احسن التقاسیم، ص ۴۴۹۔

اجازت تھی۔"[1]

اس قسم کے کتب خانے اسلامی دنیا میں کثرت سے تھے۔ چند مثالیں درج ذیل ہیں:

کتب خانہ الناصر لدین اللہ

الناصر کی شخصیت اور اس کی طویل مدت حکومت[2] نے اسے خلافت کا وقار دوبارہ قائم کرنے کا موقع دیا تھا۔ جن باتوں پر اس نے توجہ دی ان میں علمی معاملات بھی تھے اور اسی لیے اس کے پاس ایک بہترین کتب خانہ بھی تھا۔ اس کی وسعت کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اس کے ایک حصہ کو تین جگہ تقسیم کیا گیا تھا۔ دو حصے مل کر تو دالمسناۃ اور الرباط الخاتونی السلجوقی کے کتب خانے بنتے تھے اور تیسرا حصہ النظامیہ کے کتب خانے کو دیدیا گیا تھا۔"[3]

اس حصہ کے متعلق جو النظامیہ کو دیا گیا تھا ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ اس میں ہزارہا نادر و بیش قیمت کتابیں تھیں۔"[4]

کتب خانہ مستعصم باللہ

اس کتب خانے کا ذکر متعدد کتابوں میں آتا ہے۔ ابن الفواطی لکھتے ہیں کہ مستعصم نے تخت خلافت پر متمکن ہونے کے ایک سال بعد یعنی ۶۴۱ھ میں حکم نافذ فرمایا کہ محل میں ایک بڑا کتب خانہ قائم کیا جائے۔ اس زمانے کے شعرا اس کتب خانے کے عجائبات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ انھوں نے اس کی تعریف میں قصیدے لکھے۔ ابن الفواطی نے ایک نظم اپنی کتاب میں نقل کی ہے جو صفی الدین عبد اللہ بن جمیل نے کہی تھی۔"[5] الکتبی نے لکھا ہے کہ مستعصم نے ایک کتب خانہ قائم کیا اور اس کے لیے دو نہایت اعلیٰ درجہ کے کاتب ملازم رکھے۔"[6] ابن الطقطقیٰ نے دو کتب خانوں کا حال لکھا ہے جو

---

(۱) A Literary History of the Arabs - Nicholson P. 265

(۲) اس نے ۵۷۵ھ سے ۶۲۲ھ تک حکومت کی (۳) القفطی ص ۲۶۹ (۴) الکامل فی التاریخ، ج ۸، ص ۴۲۹

(۵) ملاحظہ ہو حوادث الجامعۃ ص ۱۸۴ (۶) الفخری فی الآداب السلطانیۃ، ص ۲۹۵

مستعصم نے قائم کیے تھے۔ پرانا تو صدر الدین علی بن النیار کے زیر اہتمام تھا اور نئے کا انتظام صفی الدین عبد المنعم الارموی کے سپرد تھا۔[1] ان دونوں کتب خانوں کا ذکر ابن عبد الحق البغدادی نے بھی کیا ہے۔[2]

مستعصم خود ارباب عقل و دانش میں سے نہ تھا لیکن یہ روایت ہے کہ وہ اپنا کچھ وقت خزانۃ الکتب میں صرف کیا کرتا تھا۔ لیکن اس سے کچھ زیادہ دلچسپی نہ تھی۔[3]

کتب خانہ خلفائے فاطمی

ابن الاثیر کا بیان ہے کہ المہدی کو اپنے بزرگوں سے ایک کثیر تعداد کتابوں اور دستاویزوں کی ورثے میں ملی تھی۔ جب المہدی سجلماسہ کو جا رہا تھا تو یہ سارا ذخیرۂ کتب چوری ہو گیا تھا لیکن اس کے بیٹے ابو القاسم نے کچھ عرصہ بعد اسے دوبارہ حاصل کر لیا۔[4]

قیاس یہ چاہتا ہے کہ یہ سارا ذخیرۂ کتب اس ساز و سامان کے ساتھ جو المعز شمالی افریقہ سے لایا تھا قاہرہ منتقل ہو گیا۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر عظیم الشان فاطمی کتب خانے کی بنیاد یہی تھی۔

فاطمی خلفا ہمہ وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ ان کے محل کے کتب خانے میں زمانہ بھر کی کتابیں جمع ہو جائیں۔ ان کی اس تڑپ ہی کا نتیجہ ہے کہ ان کے کتب خانے میں بعض کتابوں کے غیر معمولی نسخے تھے لیکن پھر بھی وہ دیگر نسخے خریدنے پر فیاضی سے آمادہ رہتے تھے۔ چنانچہ لکھا ہے کہ اس کتب خانے میں مصحف شریف کے دو ہزار چار سو نسخے تھے جن میں بعض نہایت مشہور خطاطوں نے لکھے تھے۔ ان کی جلدیں نہایت خوشنما اور منقش تھیں۔[5] بارہ سو نسخے تاریخ الطبری کے تھے جن میں سے ایک مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔[6] ایک سو نسخے ابن درید کی تصنیف "الجمہرۃ" کے تھے۔[7] اور تقریباً انیس نسخے الخلیل کی

---

(۱) مراصد الاطلاع، ج ۲، ص ۱۶۲ (۲) الفخری، ص ۲۹۵ (۳) الکامل فی التاریخ، ج ۸، ص ۲۹ (۴) الخطط (المقریزی) ج ۱، ص ۴۰۸ (۵) الخطط، ص ۴۰۹۔ نیز ملاحظہ ہو الروضتین ج ۱، ص ۲۰۰ جہاں تعداد ۱۲۲۰ درج ہے۔

(۶) الخطط، ص ۴۰۸۔

تصنیف "کتاب العین" کے بھی تھے۔"(۱)

اس کتب خانے میں کتابوں کی تعداد اس قدر زیادہ بڑھ گئی تھی کہ اس کے متعلق عجیب وغریب روایات مشہور ہیں۔ اگرچہ یہ مسئلہ متنازع فیہ ہے۔ ابوشامہ سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر کتابوں کی تعداد بیس لاکھ بتاتا ہے"(۲)۔ اور المقریزی نے مختلف تعداد بتائی ہے لیکن اس کا رجحان اس طرف ہے کہ سوا لاکھ کتابیں تھیں"(۳)۔ المقریزی کی روایت کے مطابق اس کثیر تعداد میں جن مضامین پر کتابیں تھیں وہ یہ ہیں: فقہ (مختلف فرقہ ہائے اسلام)۔ صرف ونحو۔ زبان۔ حدیث۔ تاریخ۔ ہیئت اور کیمیا(۴)۔ ابوشامہ اور المقریزی متفق ہیں کہ یہ کتب خانہ عجائباتِ عالم میں سے تھا اور یہ کہ قرونِ وسطیٰ کے اسلامی کتب خانوں میں بے نظیر تھا"(۵)۔

یہ بیش بہا کتب خانہ اس وقت تک قائم رہا جب المستنصر کے عہد میں خانہ جنگی شروع ہوئی۔ اس جنگ کے دوران میں وحشی ترکوں نے دارالخلافہ کو لوٹ لیا۔ اور نہایت بیش بہا ذخیرہ ہائے فنون کو تباہ کر دیا۔ اور انتہا یہ کہ اس بے مثال کتب خانے کو بالکل برباد کر دیا۔ نایاب مسودات سے آگ سلگائی جاتی تھی۔ کتابوں کی جلدوں سے سپاہیوں کے جوتوں کی مرمت کی جاتی تھی اور بے شمار کتابیں پھاڑ پھاڑ کر بے دردی سے پھینک دی گئیں۔ جن کے ڈھیر لگ گئے تھے۔ جو "طلال الکتب" کے نام سے مشہور ہو گئے تھے۔"(۶)

جب بدر الجمالی کو مصر کے معاملات کی سربراہی حاصل ہوئی تو اس نے حتی الوسع کتابیں دوبارہ جمع کرنے کی کوشش کی اور جس قدر کتابیں مل سکیں ان سے دوبارہ کتب خانہ قائم کر دیا۔ یہ کتب خانہ فاطمی محل میں اس وقت قائم تھا جب صلاح الدین نے اس خاندان کو شکست دی اور کتب خانے کو ختم کر دیا۔

---

(۱) الخطط، ص ۴۰۸ (۲) الروضتین، ج ۱، ص ۲۰۰ (۳) الخطط، ج، ص ۴۰۹ (۴) الخطط، ج ص ۴۰۹ (۵) الروضتین، ج ۱، ص ۲۰۰ + الخطط، ج ۱، ص ۴۰۹ (۶) الخطط (المقریزی) ج ۱، ص ۴۰۹ +

A History of Egypt + Lane — Poole p. 149

رفض سے متعلق کتابوں کو برباد کر دیا۔ بعض کو نیلام کر دیا۔ اور باقی کتابیں اس نے اپنے معتمد بن القاضی الفاضل اور عماد الدین الاصفہانی کو دے ڈالیں۔[1]

ان نیم سرکاری کتب خانوں کا تذکرہ ختم کرنے سے پہلے ہم بتانا چاہتے ہیں کہ ان کتابوں کا بیشتر حصہ کتب خانہ ہائے عام میں منتقل کر دیا گیا تھا۔ جیسا کہ ہم الناصر کے کتب خانے اور فاطمی محل کے کتب خانے کے متعلق لکھ چکے ہیں کہ بیشتر حصہ دار العلم میں منتقل کر دیا گیا تھا۔

ذاتی کتب خانے

یہ کتب خانے علماء نے اپنے ذاتی استعمال کے لیے قائم کیے تھے۔ ہمیں کوئی عالم ایسا نہیں ملتا جس نے اپنے لیے کچھ کتابیں جمع نہ کی ہوں۔ چنانچہ ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس قدر علماء تھے اسی قدر کتب خانے بھی تھے۔ بہرحال ہم ان میں سے صرف چند کتب خانوں کا مختصر حال بیان کرتے ہیں:

کتب خانہ الفتح بن خاقان متوفی ۲۴۷ھ

الفتح بن خاقان کتابوں کا بڑا عاشق و دلدادہ تھا۔ وہ ہر وقت کوئی نہ کوئی کتاب اپنی بغل میں رکھتا تھا۔ اور جب ذرا سا وقت ملتا مطالعہ کرنے لگتا تھا۔[2] علی بن یحییٰ المنجم کو اس کام کے لیے مقرر کیا گیا تھا کہ وہ الفتح کے لیے کتابیں منتخب کر کے کتب خانہ ترتیب دے۔ علی نے کچھ کتابیں اپنے کتب خانے سے منتقل کر دیں اور ان کے علاوہ دیگر کتب بھی جو حاصل ہو سکیں مہیا کیں اور اسی طرح ایک بے نظیر و شاندار کتب خانہ تیار کر دیا۔[3] اس کتب خانہ کے لیے متعدد کتابیں لکھی گئیں خاص طور پر نامور عالم الجاحظ نے یہ کام اپنے ذمہ لیا۔ ابن الندیم کی رائے اس

---

(۱) الروضتین (ابوشامہ) ج ۱، ص ۲۶۷ + الخطط، ج ۱، ص ۴۰۹ (۲) الفہرست، ص ۱۶۹ + ارشاد ج ۶، ص ۵۶ + فوات الوفیات، ج ۲، ص ۱۲۳ (۳) الفہرست، ص ۲۰ + ارشاد، ج ۵، ص ۴۵۹ + فوات، ج ۲، ص ۱۲۳۔

کتب خانے کے متعلق یہ ہے کہ کسی شخص نے کیا بہ لحاظ تعداد اور کیا بہ لحاظ خوبصورتی و خوش نمائی اس سے بہتر مجموعہ کتب نہیں دیکھا تھا۔[1]

کتب خانہ حنین بن اسحاق متوفی ۲۶۴ھ

فاضل طب حنین کو اپنے عہد کی نہایت کار آمد چار زبانوں پر پورا پورا عبور حاصل تھا۔ یعنی وہ یونانی، شامی، فارسی اور عربی زبانوں پر حاوی تھا۔[2] لہذا اس کے کتب خانہ کی یہ خصوصیت تھی کہ اس میں علم طب کی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا اور مختلف زبانوں کی کتابیں بھی تھیں۔ درحقیقت حنین نے بے حد سعی و کوشش سے کتابیں جمع کی تھیں اور اس کے کتب خانے کا شمار اس زمانے کے بہترین اسلامی کتب خانوں میں ہوتا تھا۔ اس نے محض کتابوں کے لیے مختلف ملکوں کی سیاحت کی تھی اور ہر سفر میں خاصی تعداد کتابوں کی جمع کر کے لایا کرتا تھا۔[3] علاوہ ازیں خود اس کے بے شمار تراجم اور اس کی اپنی تصانیف سے بھی خاصا اضافہ ہونا یقینی ہے۔[4]

کتب خانہ ابن الخشاب متوفی ۵۶۷ھ

ابن الخشاب جو اپنے زمانے کا بہترین نحوی تھا اور دیگر علوم کا بھی مستند عالم تھا کتابوں کا بے حد دلدادہ تھا لیکن اس کی مالی حالت اس قدر خراب تھی کہ اپنی خواہش کے مطابق اپنا کتب خانہ بنانے کے قابل نہ تھا۔ کتابوں سے اسے ایسی لگن تھی کہ ایسا معلوم ہوتا ہے بعض دفعہ ان کے حصول کے لیے وہ ناجائز طریقے بھی استعمال کرتا تھا۔ نیلام میں یا کتاب کی دوکان میں جب وہ کسی کتاب کو خریدنا چاہتا تو چپکے سے اس کے چند اوراق پھاڑ کر الگ کر لیتا تھا اور کتب فروش کو اور دیگر خریداروں کو کتاب کا یہ نقص دکھا کر کتاب کی قیمت گرا دیتا تھا اور پھر خرید لیا کرتا تھا پھر وہ صفحات اس میں جوڑ دیا

---

(۱) الفہرست، ص ۱۶۹ (۲) ابن ابی اصیبعہ، ج ۱، ص ۱۸۴ (۳) الفہرست، ص ۴۰۱ + القفطی ص ۱۷۳ + ابن ابی اصیبعہ، ج ۱، ص ۱۸۷

(۴) القفطی، ص ۱۷۳ + ابن ابی اصیبعہ، ج ۱، ص ۱۹۷ - ۲۰۰

کرتا تھا۔ علاوہ ازیں اگر کسی سے کوئی کتاب مستعار لیتا تو واپس ہی نہ کرتا بلکہ نہایت افسوس کا اظہار کر کے کتاب کے مالک سے کہہ دیتا کہ اب تو اس کتاب کا میرے کتب خانے سے نکلنا مشکل ہی ہے۔ بہر حال پھر بھی اس نے تمام کتابیں طالبانِ علم کے لیے ترکہ میں چھوڑیں۔[1]

کتب خانہ الموفق بن مطران متوفی ۵۸۷ھ

طبیب فاضل الموفق کو کتابوں سے عشق تھا۔ اس نے اپنے کتب خانے میں تقریباً دس ہزار کتابیں چھوڑیں۔ چونکہ وہ بہت اچھا خوشنویس تھا لہٰذا اس نے بہت سی کتابیں اپنے کتب خانے کے لیے خود نقل کی تھیں اور اس کام کے لیے تین کاتب اور بھی ملازم رکھے تھے۔ اس نے اکثر کتابوں کی تصحیح بھی کی تھی اور ان پر حواشی بھی لکھے تھے۔[2]

کتب خانہ جمال الدین القفطی متوفی ۶۴۶ھ

شام کے حکمران ایوبی خاندان کا وزیر القفطی مختلف علوم و فنون کا مسلم الثبوت استاد تھا۔ اسے کتابوں سے ایسا شغف تھا کہ لوگ دور دراز کا سفر کر کے اس کے لیے کتابیں اور نایاب مسودے لایا کرتے تھے۔ وہ بھی دل کھول کر نہایت فیاضی سے معاوضہ دیا کرتا تھا۔ اسے کتابوں سے ایسا عشق تھا کہ شادی کرنے سے بھی انکار کر دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے کتب خانے کی مالیت پچاس ہزار دینار تھی۔ اس کی وصیت کے مطابق اس کی وفات کے بعد تمام کتابیں حلب کے حکمران الناصر کو دیدی گئیں۔[3]

کتب خانہ المبشر بن فاتک متوفی اواخر پانچویں صدی

فاضل طبیب ابن فاتک کے پاس کتابوں کا ایک حیرت انگیز ذخیرہ تھا۔ وہ اپنا بیشتر وقت کتب خانے ہی میں گزارا کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اس کی بیوی کتابوں سے بے حد جلتی تھی کیونکہ وہ اپنا

---

(۱) یاقوت، ج ۴، ص ۲۸۶ (۲) ابن ابی اصیبعہ، ج ۲، ص ۱۷۸، خطط الشام (محمد کرد علی) ج ۶، ص ۱۹۳

(۳) فوات الوفیات، ج ۲، ص ۹۰، خطط الشام، ج ۶، ص ۱۹۳، اسلامک کلچر ۳ سنہ ۱۹۲۹ء

سارا فالتو وقت کتب خانے ہی میں صرف کیا کرتا تھا۔ چنانچہ اس کی بیوی نے اس کی وفات کے بعد فوراً رنج وغم سے ان ساری کتابوں کو گھر کے اندر ایک آرائشی حوض میں پھینک دیا۔ اگرچہ کتابوں کو جلد ہی وہاں سے نکال لیا گیا لیکن پھر بھی کتابیں خراب ہوگئیں اور کاغذ کا بہت سا رنگ بدل گیا۔[1]

کتب خانہ افرائیم بن زفان

علی بن رضوان کا بہترین شاگرد افرائیم تھا۔ اس کے پاس خزائن کتب تھے جن میں زیادہ تر طب کی کتابیں تھیں۔ کسی سبب سے افرائیم اپنے کتب خانہ میں سے دس ہزار کتابیں بیچنے پر راضی ہو گیا، اور خریدار اتفاق سے کوئی عراقی تھا۔ جب ملک الافضل نے یہ خبر سنی تو اس نے تمام کتابیں خریدنے کا فیصلہ کیا تاکہ مصری ان کتابوں سے استفادہ کریں (یعنی کتابیں عراق نہ جاسکیں)۔ لہذا سب کتابیں الافضل کے کتب خانے میں منتقل ہوگئیں۔ لیکن پھر بھی اس سے وہ گنی کتابیں بچ رہیں۔[2]

کتب خانہ عماد الدین الاصفہانی

عماد الدین الاصفہانی نے جب یہ سنا کہ فاطمی کتب خانے کی کتابیں بہت کم قیمت پر فروخت ہو رہی ہیں تو فوراً نیلام میں پہنچ گیا۔ جن اعلیٰ درجہ کی کتابوں کو اس نے منتخب کیا ان کی قیمت چند سو دینار ہوتی تھی۔ لیکن صلاح الدین نے اسے کتابیں بلا قیمت نذر کر دیں۔ کچھ دن بعد صلاح الدین نے محل کے کتب خانے سے کچھ اور کتابیں منتخب کر کے عماد الدین کو عطا کیں۔ کتابوں کے تیسرے تحفہ کے متعلق عماد الدین نے یہ لکھا ہے:

"ایک دن میں سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس کے سامنے کچھ کتابیں پڑی ہوئی تھیں مجھے ان کتابوں پر نظر ڈالنے کے لیے بلایا گیا، اور جب مجھ سے یہ کہا گیا کہ ان میں چند کتابیں ایسی ہیں جن کی تمہیں تلاش تھی تو میں نے جواب میں عرض کیا کہ یہ تو ساری ہی کتابیں میرے مطلب کی ہیں چنانچہ وہ سارا ذخیرہ مجھے بخش دیا گیا۔"[3]

---

(۱) ابن ابی اصیبعہ، ج ۲، ص ۹۸ ، القفطی ص ۲۶۹ (۲) ابن ابی اصیبعہ، ج ۲، ص ۱۰۵ (۳) الروضتین (ابو شامہ) ج ۱، ص ۲۶۸